

استفتاء اور فتویٰ

علامہ مولانا محمد جلال الدین قادری

استفتاء اور فتویٰ کی تاریخ اتنی ہی پرانی ہے جتنی پرانی تاریخ اسلام کی ہے۔ قرآن مجید فرقان حمید کے نزول کے دوران صحابہ کرام علیہم الرحمۃ والرضوان نے بعض امور سے متعلق حضور پر نور سید عالم ﷺ سے شرعی حکم دریافت فرمایا تو اسی وقت بعض اوقات اللہ تعالیٰ جل وعلا نے قرآن مجید میں اس کا جواب نازل فرمایا اور اکثر اوقات خود شارع اسلام علیہ التحیۃ والسلام نے حکم شرعی واضح فرمایا۔ قرآن مجید کی متعدد آیات اور احادیث کثیرہ میں یہ صورت حال ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

نبی اکرم رسول معظم ﷺ کے وصال پر ملال کے بعد صحابہ کرام، تابعین اور تبع تابعین کے دور میں شرعی امور میں استفتاء طلب کیے جاتے رہے اور مقتدر صحابہ کرام اور جلیل القدر ائمہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ان کو جواب عطا فرماتے رہے۔ یہی جواب فتاویٰ کہلائے۔ یہ سلسلہ سوال اور جواب کا وہیں نہیں رکا بلکہ اب تک جاری ہے اور انشاء اللہ قرب قیامت تک جاری رہے گا۔

استفتاء کرنے والے کبھی اپنی ذات سے متعلق پیش آمدہ صورت حال سے سوال کرتے اور کبھی معاشرہ کو پیش آمدہ اجتماعی صورت حال سے سوال کرتے۔ مفتی انہیں حسب حال شرعی اصول و قواعد کی روشنی میں جواب عطا فرمادیتا۔ اس طرح بعض فتاویٰ کا تعلق ایک شخص سے ہوتا ہے اور بعض کا تعلق اجتماعی طور پر معاشرے سے۔ فتاویٰ کی اہمیت اور قدر و قیمت دونوں صورتوں میں یکساں ہوتی ہے مگر اثر و نفوذ کے اعتبار سے ثانی الذکر فتاویٰ ہمہ گیر اثر رکھتے ہیں۔ ایسے فتاویٰ بعض اوقات معاشرے سے کسی برائی کو ختم کر دیتے ہیں۔ بعض اوقات ان کا اثر و نفوذ اتنا بڑھ جاتا ہے کہ اس سے مقتدر اعلیٰ کے اقتدار پر زد پڑتی ہے اور یہ بھی دیکھا گیا کہ فتاویٰ سے بعض اوقات حکمرانی تبدیل ہو گئی۔ یہ مقام اختصار ہے ورنہ اس کی کثیر مثالیں تاریخ میں موجود ہیں جن کو یہاں درج کیا جاسکتا ہے۔

فتاویٰ کی ایک حیثیت زبانی اور ایک تحریری ہے۔ مستفتی نے سوال اگر زبانی کیا تو مفتی نے اس کا جواب زبانی دے دیا اور اگر مستفتی نے تحریری سوال کیا تو اس کا جواب مفتی نے تحریری دے دیا۔ زبانی سوال و جواب کا انضباط بہت دشوار امر ہے۔ البتہ تحریری فتاویٰ کی جمع و تالیف اور ترتیب قدرے آسان ہے۔

درج بالا حقیقت کے پیش نظر یہ کہا جاسکتا ہے کہ اسلامی تاریخ میں کتب فتاویٰ لا تعداد و بیشمار مرتب و موجود ہوں مگر شاید ایسا نہیں۔ اس کی وجہ وہی ہے جو اسلامی کتب تفاسیر، احادیث، فقہ، تاریخ، شروح کے ساتھ حادثہ ہوا یعنی وہ قلمی مسودات کا ایک معتد بہا حصہ ضائع ہو چکا ہے۔ بعض حصہ اسلام دشمن حکمرانوں کے حملوں کی نذر

آدم ہرچہ دار داز پیش قذاق دارد ☆ تخم مرغ دزد، شتر دزدی شود

ہو چکا ہے۔ یہ بات تو بطور ضرب المثل کہی جاتی ہے کہ تاتاریوں کے حملوں سے عروس البلاد بغداد مقدس کانایاب اور کثیر علمی ذخیرہ دریائے جلد کی نذر ہوا جس سے قلمی مسودات کی روشنائی سے دریائے جلد کا پانی سیاہ ہو گیا تھا۔ ایسے بیسیوں حادثات اسلامی کتب کے ساتھ ہو چکے ہیں۔ تاہم مجملہ تعالیٰ اسلامی کتب کا ایک معتد بہا قیمتی ذخیرہ کسی نہ کسی طرح محفوظ رہ سکا ہے۔ چنانچہ دیگر کتب اسلامیہ کے ساتھ ساتھ کتب فتاویٰ کی ایک کثیر مقدار قلمی یا مطبوعہ صورت میں موجود ہے۔

فتویٰ کیا ہے اور اس کی مذہبی، دینی اور معاشرتی حیثیت کیا ہے؟ یہاں ان امور کے بیان کا موقع نہیں۔ مختصراً یوں جان لیجئے ایک شخص یا معاشرہ کو درپیش صورت حال میں اسلامی حکم جاننے کی کوشش استفتاء ہے اور اس صورت حال میں کتب وسنت اور اقوال ائمہ و فقہاء کی روشنی میں کسی عالم دین کا شرعی جواب فتویٰ کہلاتا ہے۔ گویا فتویٰ کو ایک شخص یا ایک معاشرہ کی دینی، معاشرتی، معاشی اور سماجی زندگی میں بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ زیر نظر فتاویٰ کی کتاب مسی بہ ”فتاویٰ دیدار یہ“، تین مفتیان کرام کے فتاویٰ کا مجموعہ ہے۔

۱۔ مولانا مفتی محمد رمضان صاحب۔

۲۔ مولانا مفتی سید محمد اعظم شاہ صاحب۔

۳۔ مولانا مفتی سید ابو محمد محمد دیدار علی شاہ صاحب۔

تینوں مفتیان کرام جامع مسجد اکبر آباد (آگرہ) کے خطیب اور مفتی ہیں۔ جو یکے بعد دیگرے مذکور مسجد میں افتاء اور خطابت کے فرائض انجام دیتے رہے۔ جس رجسٹر میں تینوں مفتیان کرام کے فتاویٰ درج ہیں اس کا دورانیہ جنگ عظیم اول کا زمانہ (۱۹۱۴ء تا ۱۹۱۹ء) ہے۔

اول الذکر دو مفتیان کرام کے حالات فقیر غفرلہ القدر (راقم السطور) کو معلوم نہیں۔ البتہ تیسرے مفتی نبراس المحدثین استاذ العلماء والمدرّسین مولانا سید ابو محمد محمد دیدار علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حالات کتب تذکرہ میں موجود ہیں۔ یہ وہی ہیں جنہیں امام احمد رضا سے خلافت و اجازت حاصل تھی۔ ہاں یہ وہی ہیں جو بعد میں مرکزی دارالعلوم حزب الاحناف لاہور ہند (اور اب پاکستان) کے بانی ہیں۔

تینوں مفتیان کرام کے فتاویٰ کی کیفیت و کمیت بھی مختلف ہے۔

اول الذکر مفتی مولانا محمد رمضان صاحب کے فتاویٰ بہت قلیل ہیں۔ جو انگلیوں پر گنے جاسکتے ہیں۔ ان کے فتاویٰ تحریر کرنے کا انداز بھی مختصر ہے۔ وہ مختصر عبارت میں (اور کچھ اوقات) بغیر حوالہ کتب فقہ وغیرہ کے فتویٰ تحریر کر دیتے ہیں۔

ثانی الذکر مفتی مولانا سید محمد اعظم شاہ صاحب کے فتاویٰ اول الذکر مفتی کے فتاویٰ سے ذرا زیادہ ہیں۔ مجموعی طور پر وہ بھی قلیل ہیں۔ مگر ان کا انداز تحریر قدرے مفصل ہے وہ کتب حوالہ جات سے اپنی تحریر کو مزین کرتے ہیں۔

علمی و تحقیقی مجلہ فقہ اسلامی ﴿ ۱۷ ﴾ جمادی الثانیہ ۱۴۳۵ھ ☆ اپریل (۲) ۲۰۱۴ء

ثالث الذکر مفتی مولانا سید ابومحمد دیدار علی شاہ صاحب کے اکثر فتاویٰ طویل ہیں۔ وہ قرآن مجید کی آیات کریمہ، احادیث طیبہ، اقوال ائمہ اور کتب فقہاء اور شروح محدثین کے کثیر دیگر حوالہ جات سے اپنے موقف کو مستفتی کے لیے واضح کرتے چلے جاتے ہیں۔ بعض اوقات ائمہ کرام اور فقہائے عظام کے اختلاف کو بڑی شرح و وسط سے بیان کر دیتے ہیں اور ان اختلافات کی روشنی میں جواب فتویٰ کے مختلف پہلو واضح کر دیتے ہیں۔ (اگرچہ یہ امر علماء کی عظمت کا نشان ہے مگر بعض اوقات قاری اس سے الجھن محسوس کرتا ہے)

”فتاویٰ دیداریہ“ کے چند فتاویٰ سے اتفاق مشکل ہے۔ مگر یہ امر باعث قدح نہیں۔ مفتی اگر اخلاص، للہیت اور ممکنہ تحقیق کے بعد جواب دے اور وہ جواب دیگر جمہور فقہائے امت اور مفتیان ملت کے خلاف واقع ہو تو اس کو خطائے اجتہادی کے مانند محمول کرنا چاہئے۔ مفتی مذکور باوجود خطا کے ماجور و مشاب ہوگا۔ انشاء اللہ العزیز۔

”فتاویٰ دیداریہ“ میں بعض وہ فتاویٰ ہیں جن کی بنا پر مروجہ پکھریوں میں فیصلے ہوئے جس کا صریح مفہوم یہ ہے کہ مولانا سید ابومحمد دیدار علی شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کے فتاویٰ کو عوام و خواص کے علاوہ مروجہ پکھریوں (مذہبیہ) میں قابل حجت تسلیم کیا جاتا ہے۔

بعض فتاویٰ وہ ہیں جن کا بالواسطہ تعلق مروجہ پکھریوں سے تھا۔ وہ یوں کہ اوقاف، مساجد، مدارس وغیرہ کے معاملات کے مصارف پورے کرنے سے متعلق فتویٰ دیا۔ بعض فتاویٰ کا تعلق مسلمانوں کے اجتماعی معاملات سے متعلق تھا۔ مثلاً عید گاہ یا جامع مسجد میں سائیکل کے سوال کرنے اور ان کی امداد کرنے والوں سے متعلق شرعی احکام کا واضح کرنا ہے۔

غرضیکہ ”فتاویٰ دیداریہ“، کتب فتاویٰ میں ایک قابل قدر اضافہ ہے۔ لیکن اس کی موجودہ افادیت کی صورت گری کا سہرا برادر محترم علامہ مولانا مفتی محمد علیم الدین نقشبندی مجددی مدظلہ العالی کی گراں قدر، مشکل اور مسلسل مساعی جمیلہ کا مہربان منت ہے۔

مفتی محمد علیم الدین مجددی مدظلہ العالی نے فتاویٰ کے رجسٹر کو بنظر عمیق پڑھا۔ شکستہ خط اور بوسیدہ ہونے کے باعث پڑھنے میں جو مشکل پیش آئی وہ صرف وہی جانتے ہیں دوسرا اس مشکل کا اندازہ نہیں کر سکتا۔ ہاں وہ حضرات جو اس نوعیت کے خطوط مرتب کرتے ہیں وہ اس سے واقف ہیں۔

رجسٹر فتاویٰ پڑھ لینے کے بعد جو مراحل مفتی مراتب نے طے کیے ان کا مختصر تعارف (جو فقیر غفرلہ راقم السطور کی سمجھ میں آیا) یوں ہے۔

۱۔ رجسٹر فتاویٰ اسی ترتیب سے ہے جس ترتیب زمانی سے مستفتی نے سوال کیا ظاہر ہے کوئی عبادات سے متعلق سوال کرتا ہے کوئی معاملات سے متعلق، کوئی مناکحات سے متعلق سوال کرتا ہے کوئی میراث کے بارے میں فتویٰ پوچھتا ہے۔ جس ترتیب زمانی سے جس نے جو سوال پوچھا اسی ترتیب سے جواب رجسٹر میں نقل کر دیا۔ یہ مجموعہ

انک لاتجنی من الشوک العنب ہرگز از شاخ بید بر غوری خرما نتوان خورد از این خار کہ لکھنم

علمی و تحقیقی مجلہ فقہ اسلامی ﴿ ۱۸ ﴾ جمادی الثانیہ ۱۴۳۵ھ ☆ اپریل ۲۰۱۴ء

فقہی ابواب سے یکسر مختلف تھا۔ قاری کے لیے اس سے استفادہ بہت دشوار تھا۔ مرتب مفتی صاحب نے تمام فتاویٰ کو فقہی ابواب پر مرتب کر دیا ہے۔ اب اس سے قاری کے لیے استفادہ نہایت آسان ہے۔ وہ اپنی پسند کا باب کھول کر پڑھ سکتا ہے۔

۲۔ مفتیان کرام نے فتویٰ کے دوران جن کتب کا حوالہ دیا ہے ان میں اکثر اوقات کتاب کا باب اور صفحہ درج نہیں اور نہ یہ درج ہے کہ متعلقہ کتاب کس مطبع کی ہے۔ مرتب موصوف نے حوالہ جات کی تخریج بڑی عرق ریزی سے کر دی ہے۔

۳۔ عربی یا فارسی عبارات مندرجہ فتاویٰ، جن کا ترجمہ مفتیان کرام نے نہیں کیا مرتب موصوف نے ان کا سلیس اردو ترجمہ کر دیا ہے تاکہ قاری کے لیے آسانی پیدا ہو جائے۔

۴۔ بعض مقامات پر عربی یا فارسی عبارات کا ترجمہ مفتیان کرام نے کیا ہے مگر وہ درست نہیں۔ مرتب موصوف نے اس ترجمہ کی تصحیح حاشیہ میں کر دی ہے۔

۵۔ بعض مقامات پر مفتیان کرام نے جس کتاب کا حوالہ درج کیا ہے اصل کتاب میں وہ حوالہ ان الفاظ سے نہیں۔ مرتب موصوف نے حاشیہ میں کتاب متعلقہ کے اصل الفاظ نقل کر دیے ہیں۔

۶۔ بعض اوقات مفتیان کرام نے جو عبارت کسی کتاب سے بطور حوالہ نقل کی وہ عبارت اس کتاب کی نہیں بلکہ کسی اور کتاب کی ہے۔ مرتب موصوف نے اصل کتاب کی نشان دہی فرمادی ہے۔

۷۔ مرتب موصوف، جو بذات خود مفتی ہیں، نے جہاں کہیں فتویٰ جمہور فقہائے امت کے خلاف ملاحظہ کیا اس کی تصحیح حاشیہ میں کر دی ہے۔

اس نوعیت کی کثیر مساعی ہیں جن کا حوالہ اصل مرتبہ ”فتاویٰ دیداریہ“، ہیں جا بجا ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔

۸۔ اصل مجموعہ فتاویٰ میں بوجہ بوسیدگی یا شستگی جو کلمات پڑھے نہ جاسکے مرتب موصوف نے انہیں اندازہ سے درج کیا ہے مگر حاشیہ میں صاف وضاحت کر دی ہے کہ یہ کلمہ انداز اسباق و سباق کے پیش نظر لکھا گیا ہے۔

۹۔ مفتیان کرام نے بعض اوقات کسی عبارت کے لیے ایک حوالہ درج کیا ہے۔ مرتب موصوف نے وہی عبارت دیگر کتب میں موجود ہونے کی نشان دہی کر دی ہے۔

۱۰۔ ایک اہم کام مجموعہ فتاویٰ کی تفصیلی فہرست درکاتھی جو مرتب موصوف نے نہایت عرق ریزی سے فقہی ابواب پر مرتب فرمادی ہے۔ فہرست پر نظر ڈالنے سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ فلاں مسئلہ یا فتویٰ کہاں اور کس صفحہ پر ہے۔

یہ تمام کوششیں قاری کی سہولت کے لیے کی گئی ہیں اور ساتھ یہ بھی مقصد ہے کہ مفتیان کرام کا وہ مجموعہ از سر نو زندہ ہو سکے۔ فخر اللہ تعالیٰ احسن الجزاء آخر میں یہ فقیر ناتواں مرتب موصوف مولانا مفتی محمد علیم الدین نقشبندی مجددی کی بے مثال کوششوں کو بنظر تحسین دیکھتے ہوئے انہیں اس فتاویٰ کی ترتیب پر مبارک باد پیش کرتا

علمی و تحقیقی مجلہ فقہ اسلامی ﴿ ۱۹ ﴾ جمادی الثانیہ ۱۴۳۵ھ ☆ اپریل ۲۰۱۴ء
ہے۔ مولیٰ تعالیٰ اپنے حبیب کریم ﷺ کے طفیل ان کی مساعی مقبول فرمائے اور یہ فتاویٰ امت مسلمہ کے لیے مفید فرمائے۔ آمین، بجاہ طویل صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم وکرم و شرف۔

کتاب کا نام: منہاج لاہور: اپریل ۱۹۹۰ء: مضمون کا نام: اصول فقہ اسلام: صفحہ نمبر: ۱۳۹

تاریخ: 09.04.2014

اصول فقہ اسلام

ملک ظہور احمد ایڈووکیٹ ہائیکورٹ

تعارف و اہمیت:

اسلام دین فطرت ہے اور انسانی رہنمائی کے لیے زندگی کے ہر شعبے میں ایسے زریں اصول پیش کرتا ہے۔ جن کی روشنی میں قیامت تک آنے والی نسلوں اور نئے آنے والے مسائل کا حل موجود ہے۔ یوں تو دنیا میں آغاز آفرینش ہی سے مختلف اقوام و ملل میں باہمی معاملات کو حل کرنے کے لیے قانون کسی نہ کسی صورت میں موجود رہا۔ لیکن دنیا کے مختلف قوانین اور قانون اسلامی میں اساسی فرق یہ ہے کہ یہاں عقل و دانش کو وحی و الہام کی دستگیری حاصل ہے۔

قرآن حکیم اور سنت رسول اکرم ﷺ میں اصول تو موجود ہیں، لیکن مسائل کی جزئیات اور نئے آنے والے مسائل کی تفصیلات موجود نہیں۔ چنانچہ امت مسلمہ کے اکابر علماء اور فقہاء نے اس سلسلے میں گراں قدر خدمات سرانجام دیں۔

قرآن حکیم چونکہ عربی زبان میں نازل ہوا جو نہایت ہی فصیح و بلیغ اور وسیع المعانی زبان ہے۔ لہذا فہم قرآن کے لئے اور اس کی غرض و غایت اور اس کے مقاصد عالیہ پر عمل پیرا ہونے کے لیے فقہاء کرام نے استخراج مسائل کے لیے باقاعدہ ایک علم مدون کیا جو علم اصول فقہ کہلاتا ہے۔ علامہ ابن خلدون اپنے مقدمہ میں اصول فقہ کی اہمیت اور اس کی قدر و منزلت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”اصول فقہ علوم شرعیہ کے بلند مرتبہ اور جلیل القدر علوم میں سے ہے جس کے بڑے فائدے ہیں اور یہ علم اولہ شرعیہ میں اس حیثیت سے غور و فکر کا نام ہے کہ ان (اولہ) سے استنباط احکام کیا جاسکے اور اولہ شرعیہ کے اصل الاصول کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ ہیں،،۔

ابن ساعد انصاری نے ”ارشاد المقاصد“ میں اصول فقہ کا تعارف اس طرح کرایا ہے کہ یہ وہ علم ہے جس سے شریعت کے عملی احکام کے مطالب کی پہنچگی اور ان احکام کے استنباط کا طریقہ معلوم ہو اور ان کے دلائل کے مواد اور غور و فکر کر کے ان کے استخراج کی معرفت حاصل ہو۔ دور نبوی ﷺ میں مسلمانوں کو شرعی احکام اس وحی

☆ ان مع العسر يسرا باہر تخی آسانی است ☆

جمادی الثانیہ ۱۴۳۵ھ ☆ اپریل (۲) ۲۰۱۴ء

﴿ ۲۰ ﴾

علمی و تحقیقی مجلہ فقہ اسلامی

قرآن کے ذریعہ، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوتی تھی اور اس وحی کی براہ راست رسول اللہ ﷺ کی قوی و علمی تشریح و تفسیر کے ذریعہ پہنچتے رہے اور مسلمانوں کو نقل و خبر کی ضرورت تھی اور نہ فکر و نظر اور قیاس کی حاجت تھی، لیکن رسول اللہ ﷺ کے بعد براہ راست نبوت سے اکتساب ناممکن ہو گیا اور قرآن تو اتر کے ساتھ سینوں اور صحیفوں میں محفوظ ہو گیا۔

رہی سنت، تو اس کے بارے میں صحابہ کرام کا اس بات پر اجماع ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا ہر وہ قول یا فعل واجب العمل ہے جو اس طرح عقل صحیح (وہ قول یا فعل اصول روایت پر پورا اترے) ہم تک پہنچے کہ اس کے صدق کا ظن غالب حاصل ہو جائے اور کتاب و سنت کی دلالت شرعیہ اس کے معتبر ہونے کو متعین کر دے یعنی اصول روایت کی رو سے بھی روایت وثوق و اعتماد کی حامل ہو۔

پھر اجماع صحابہؓ ان دونوں (کتاب و سنت) کے قائم مقام ہوتا ہے، کیونکہ صحابہؓ نے بالاتفاق اجماع صحابہؓ کی مخالفت کو قابل تکرار و ملامت قرار دیا ہے اور ایسا ہونا بھی چاہیے۔ اس لیے کہ کسی حکم شرعی پر اجماع بلا سند نہیں ہو سکتا (یہ اور بات ہے کہ دلیل و سند کا علم دوسروں کو نہ ہو یا نہ ہو سکا ہو) اور یہ ناممکن ہے کہ صحابہ جیسی پوری جماعت بغیر کسی ثابت شدہ دلیل کے حکم شرعی پر اتفاق کر لیں، مزید برآں اس بات کی شہادت موجود ہے کہ پوری ”الجماعۃ“ کا متفقہ فیصلہ غلطی خفاء سے معصوم و مامون ہوتا ہے۔ حدیث نبوی ہے کہ

لن تجتمع امتی علی الضلالة۔

یعنی میری امت ضلالت و گمراہی پر مجتمع نہیں ہو سکتی۔ یوں اجماع اولیٰ شرعیہ میں سے ایک دلیل قرار پایا۔
پھر ہم دیکھتے ہیں کہ صحابہؓ اور ان کے بعد کے ہمارے اسلاف کرام کا کتاب و سنت سے طریقہ استدلال یہ تھا کہ وہ اشباہ و اشبہ پر اور نظائر کو نظائر پر قیاس کیا کرتے تھے، یہ قیاس اجتماعی طور پر بھی ہوتا تھا اور انفرادی طور بھی اور انفرادی صورت میں ایک کی رائے کو دوسرا تسلیم کرتا تھا اور ایسا کرنا اس لیے ضروری ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بہت سے معاملات ایسے وقوع پذیر ہوئے کہ ان کے بارے میں کتاب و سنت کے نصوص خاموش تھے، اس لیے انہوں نے رومنا ہونے والے ان مسائل کو ان جیسے ایسے مسائل پر قیاس کیا جن کا حکم ثابت تھا اور پیش آمدہ مسائل کا مخصوص الحکم مسائل سے الحاق کیا اور اس الحاق کے باب میں ایسی شرائط رکھیں جن سے باہم مشابہت یا مماثلت رکھنے والے مسائل کے درمیان صحیح مساوات قائم ہو کر ظن غالب حاصل ہو جاتا ہے کہ دونوں کے باب میں حکم الہی ایک ہی ہے، اس طرح یہ قیاس اجماع صحابہؓ کے بعد اولیٰ شرعیہ میں سے چوتھی دلیل شرعی قرار پایا۔ اور جمہور علماء اس بات کے حق میں ہیں کہ قیاس اولیٰ شرعیہ میں سے ہے، اگرچہ بعض حضرات نے اجماع اور قیاس کے دلائل شرعیہ میں سے ہونے سے اختلاف کیا ہے، لیکن یہ اختلاف اتنا شاذ ہے کہ کسی شمار و اعتبار کے قابل نہیں۔

اس سے یہ بات سامنے آگئی ہوگی کہ اس فن کی سب سے پہلی بحث اس بات کے ثبوت میں ہے کہ یہ چاروں یعنی کتاب، سنت، اجماع، قیاس کس طرح اولیٰ شرعیہ ہیں۔ تو جہاں تک کتاب اللہ کا تعلق ہے۔ تو اس کے دلیل شرعی ہونے میں کسی کو کیا کلام ہو سکتا ہے۔ جب کہ اس کا متن جو مجزہ ہے۔ قطعی الثبوت ہے اور تواتر کے ساتھ اس کا ایک ایک لفظ منقول ہے۔

ری سنت، تو جیسا کہ ہم پہلے کہہ آئے ہیں کہ صحت کے ساتھ منقول ہو کر پہنچنے والی سنت کے واجب العمل ہونے پر صدر اسلام سے لے آج تک پوری امت کا اجماع ہے۔ مزید برآں کسی کو بھی اس سے مجال انکار نہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں ملک کے اطراف و جوانب میں آپ کے ارسال کردہ وہ مکاتیب و مراسلات واجب العمل قرار پائے جو احکام شریعت اور اوامر و نواہی پر مشتمل تھے۔ (یہاں مکاتیب و مراسلات نبوی ﷺ کے تذکرہ کا مدعا یہ نہیں ہے کہ علم کا قابل اعتماد ذریعہ بس لے دے کہ کتابت ہی ہے، بلکہ منصف یہ بتانا ہے کہ اپنے اندر اعتماد و وثوق رکھنے والے جس ذریعہ سے بھی سنت کا علم حاصل ہوگا، وہ واجب العمل ٹھہرے گا، جیسا کہ وہ مکاتیب و مراسلات واجب العمل قرار پائے کہ کتابت بھی قابل اعتماد ذرائع میں سے ایک ذریعہ ہے اور اس کی تائید علامہ ابن خلدون کے ان جملوں میں موجود ہے جو سنت کے باب میں ابھی چند سطریں پہلے کہہ چکے ہیں اور ابھی چند سطروں کے بعد وہ پھر اس کے بارے میں تھوڑی سی وضاحت کریں گے)

یہی حال اجماع کا ہے، اس کے واجب القبول ہونے پر بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مکمل اتفاق ہے اور اجماع صحابہ کی مخالفت ملامت کی سزا قرار پائی۔ ساتھ ہی (حدیث میں) ثابت ہے کہ امت مسلمہ خطا اور غلطی پر اتفاق کر لینے سے معصوم و مامون ہے۔

اب رہ جاتا ہے قیاس، تو اس کے دلیل شرعی ہونے پر بھی صحابہ کا اجماع ہے۔ پس یہ ہیں چار اولیٰ شرعیہ یعنی الکتاب۔ السنۃ۔ الایمان۔ القیاس سنت کے باب میں یہ بات ملحوظ رہنی چاہیے کہ جو احادیث و سنن رسول اللہ ﷺ سے مروی ہیں، ان کو تسلیم کرنے سے پہلے نقل و روایت کے طریق اور راویوں کی عدالت کی تحقیق ضروری ہے، تاکہ ان کی صحت و صدق کا وہ ظن غالب حاصل ہو جائے جس پر وجوب عمل کا مدار ہے اور یہ بھی فن کے قواعد میں سے ہے، اسی کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ جب دو روایتوں کے درمیان تعارض واقع ہو تو معلوم کیا جائے کہ زمانے کے لحاظ سے کون سی روایت مقدم ہے۔ اس طرح ناخن و منوٰخ کی معرفت اس فن کے فصول و ابواب میں سے قرار پاتی ہے۔ پھر اس کے بعد الفاظ کی دلالت میں غور و خوض بھی ضروری ہے (اور یہ اس لئے کہ کلام کی ترکیبوں سے معانی کا استفادہ کرنا اس پر موقوف ہے کہ مفرد الفاظ اور مرکب فقرات کی وجہ دلالت کی معرفت حاصل ہو اور اس بات میں جو قوانین لسانیہ مدون ہوئے ہیں، وہ علم نحو۔ علم صرف اور علم البیان کے نام سے منضبط ہیں اور جب تک عرب کو اپنی زبان میں ملکہ حاصل رہا، اس وقت تک نہ ان علوم (علم

علمی تحقیقی مجلہ فقہ اسلامی ﴿ ۲۲ ﴾ جمادی الثانیہ ۱۴۳۵ھ ☆ اپریل (۲) ۲۰۱۴ء

نحو وغیرہ) کی ان کو ضرورت تھی اور نہ وہ قوانین کی روشنی میں کام کو سمجھا کرتے تھے اور نہ اس وقت فقدان چیزوں کی محتاج تھی، اس لیے کہ لفظ کی وضعی دلالت کی معرفت کے لیے جبلی طور پر ملکہ لسانی بہت کافی ہے۔ لیکن جب زبان کے ملکہ میں اضمحلال و فتور آ گیا تو مہارت اور درک و بصیرت رکھنے والے علما نے تخرین نے صحیح منقولات لسانیہ کو سامنے رکھ کر اور صحیح طور پر مستبط قیاس کو کام میں لا کر معمول قوانین لسانیہ مدون کر کے مستقل علوم کی شکل دے دی اور پھر فقہیہ کو احکام الہی کی معرفت کے لیے ان علوم کو جاننا ضروری ٹھہرا،۔۔

پھر چند سطروں کے بعد علامہ ابن خلدون کہتے ہیں کہ۔۔

”یہ فن (اصول فقہ) ابتدائی زمانوں میں نہ تھا بلکہ بعد کی پیداوار ہے کیونکہ اس زمانے میں ہمارے اسلاف اس سے بے نیاز تھے اور انھیں الفاظ سے معانی کا استفادہ کرنے کے لیے اپنے فطری ملکہ لسانیہ سے زیادہ اور کسی چیز کی ضرورت نہ تھی، رہے وہ قوانین جن کی حاجت استنباط احکام میں ہوتی ہے، تو وہ ان پر از خود روشن تھے، اسی طرح وہ اسانید احادیث میں بحث و نظر کے بھی حاجت مند نہ تھے۔ کیونکہ وہ یا تو ہم زمانہ تھے یا قریب العصر اور ناقلین خبر (روایت) کے حالات سے پوری طرح واقف تھے، لیکن جب صدراول اور اس سے ملحق ہمارے اسلاف کا زمانہ ختم ہوا اور تمام علوم صناعت کی منزل میں آئے۔ جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں، تو فقہاء و قوانین کو ایسے قواعد و قوانین کی ضرورت لاحق ہوئی جن سے ادلہ شرعیہ سے استنباط احکام کے باب میں استفادہ کیا جاسکے، تو پھر انہوں نے ان سب کو ایک مستقل فن کی شکل میں مکتوب و مدون کیا، جس کا نام ”اصول الفقہ“ رکھا گیا۔۔۔“

ایک اور تعارف:

کشف الظنون ج اول ص ۱۱۳ میں مذکور ہے کہ:

”واقعات اور نئے نئے مسائل کا رونما ہوتے جانا اگرچہ بجائے خود بے نہایت نہیں ہے کیونکہ یہ دنیا بے نہایت نہیں ہے اور دنیا کے اختتام ہی تک نت نئے مسائل کے ظہور و نمود کا قضیہ ہے، لیکن ان کی اکثریت اتنی ہے اور دنیا کے وجود تک ان کا تسلسل اور عدم انقطاع ایسا ہے کہ ان کا احاطہ نہیں کیا جاسکتا اور مستقبل پر کسی کو دسترس حاصل نہیں ہے اس لیے کسی کو کیا معلوم ہو سکتا ہے کہ کب کس طرح کے مسئلہ سے دوچار ہونا پڑے۔ لہذا زمانے کے ہر دور میں وقوع پذیر ہونے والے ایک ایک مسئلہ کا جزوی حکم پہلے ہی سے معلوم نہیں ہو سکتا اور دوسری طرف یہ حقیقت بھی اپنی جگہ مسلم ہے کہ انسان کا ہر عمل شرعی حکم کے تابع ہونا چاہیے اور اس کا جو بھی حکم ہوگا، وہ بہر حال کسی نہ کسی دلیل سے بندھا ہوا ہوگا، جو اس سے مخصوص ہوگی، تو ان مسائل کے باب میں کچھ کلیات بنا دیے گئے، جن کے موضوعات مکلفین کے افعال ہیں اور محولات شارع کے احکام از قیل و وجوب وغیرہ ہیں، اور وہ علم جو دلائل شرعیہ سے حاصل شدہ ان احکام سے متعلق ہے، ”فقہ“ کے نام سے موسوم کیا گیا۔

پھر علماء نے دلائل واحکام اور ان کے عموم کی تفصیلات میں فکر و نظر کی، تو دیکھا کہ دلائل تو کتاب و سنت اور اجماع و قیاس کی طرف راجع ہوتے ہیں اور احکام واجب، مندوب، حرام، مکروہ اور مباح کی طرف۔ ساتھ ہی انہوں نے ان احکام کے ان دلائل سے استدلال کی کیفیت پر بغیر تفصیلات میں گئے ہوئے۔۔۔ الایہ کہ جہاں مثال کے طریق پر دیکھنے کی ضرورت ہو۔۔۔ اجمالی نظر ڈالی تو ان کے سامنے چند ایسے کلی قواعد آئے جو احکام کے ان دلائل کی اجمالی کیفیت استدلال سے متعلق تھے اور جن کا تعلق استدلال کے طریقوں کے بیان اور اس کے شرائط سے تھا اور یہ طرق و شرائط وہ تھے جن سے کام لے کر ان قواعد کے ذریعہ احکام کے تفصیلی دلائل سے بہت سے جزوی احکام کے استنباط کی راہیں کھلتی تھیں، تو انہوں نے ان تمام قواعد و ضوابط اور طرق و شرائط کو منضبط اور مدون کیا اور مزید کچھ امور کا اضافہ کیا اور اس علم کا جو ان قواعد و ضوابط وغیرہ سے متعلق ہے ”اصول فقہ“ نام رکھا،۔۔۔ ۵۔۔۔ اس میں شک نہیں کہ اصول فقہ ایک میٹیکل مضمون ہونے کی وجہ سے کم دلچسپ ہے۔ لیکن یہ وہ موضوع ہے جس پر مسلمان بجا طور پر فخر کر سکتے ہیں۔ دنیا کی تاریخ قانون میں مختلف قوموں نے اپنی طرف سے کچھ نہ کچھ اضافہ کیا ہے۔ مسلمانوں کا سب سے بڑا کرنامہ غالباً اصول فقہ ہے۔ مسلمانوں سے پہلے بھی دنیا میں قانون موجود تھا۔ لیکن اصول فقہ جیسی چیز قانون میں کہیں نہیں ملتی اور آج بھی ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ ایک امتیازی اضافہ ہے، جس کی بدولت علم قانون کی ایک بڑی کمی پوری ہو گئی ہے۔ ”خطبات بہاول پور۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ“

فروغ دلش ماز قیاس است قیاس ماز تقدیر حواس است

قرآن حکیم افلا تعقلون، لقوم یعقلون اور لعلمکم تعقلون متعدد بار فرما کر عقل کی طرف رجوع کرنے کی ہمارا بار دعوت دیتا ہے۔

یہی عقل اللہ کی وہ عظیم القدر نعمت ہے جو اشرف المخلوقات انسان کو دوسری تمام مخلوقات سے ممتاز کرتی ہے، اسی عقل کے ذریعہ انسان حواس خمسہ سے حاصل کی ہوئی چیزوں کو سمجھتا ہے ان میں باہم امتیاز کرتا ہے۔ پھر ان سے بہت ساری غیر معلوم چیزوں کا علم حاصل کرتا ہے، اسی تحصیل کا نام تعقل ہے اور حاصل شدہ معلومات معقولات کہلاتے ہیں۔

اگر اسی عقل سے وحی الہی کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سمجھنے میں کام لیں تو وہ تفقہ فی الدین کہلاتا ہے۔ سمجھنے کے بعد ان سے جو معلومات دینی حاصل کریں وہی اجتہادی معلومات مسائل فقہیہ اور امور دینیہ ہیں۔ اس لیے امام سیوطی نے فقہ کی تعریف اسی طرح کی ہے۔

الفقہ معقول من منقول منقول سے بذریعہ عقل حاصل کی ہوئی چیز فقہ ہے۔

اس تعریف کے بموجب جملہ معلومات شرعیہ فقہ میں داخل ہیں۔ خواہ ان کا تعلق اعتقادات سے ہو یا وجدانیت و علیات سے ہو۔ یہی وجہ ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کی طرف منسوب مسائل سے متعلق مشہور کتاب کا نام فقہ اکبر

☆ بالملح يصلح ما يخشى تغيره فكيف بالملح ان حلت به الغير

علمی و تحقیقی مجلہ فقہ اسلامی ﴿ ۲۳ ﴾ جمادی الثانیہ ۱۴۳۵ھ ☆ اپریل (۲) ۲۰۱۴ء

ہے۔ عہد صحابہ کے ختم ہونے پر جب ہر علم نے صنعت کی صورت اختیار کر لی تو اعتقادات سے متعلق معلومات کا نام علم کلام ہو گیا، وجدانیات نے تصوف کا علم پیدا کیا۔ عملیات سے متعلق حے کا نام علم الفقہ ہوا۔ اب علم فقہ کی تعریف اسی طرح مشہور ہوئی۔

العلم بالا احکام الشرعیۃ العملیۃ من ادلتها التفصیلیۃ۔ یعنی، فقہ ان احکام شرعیہ عملیہ کے علم کا نام ہے جو شریعت کے تفصیلی دلائل سے حاصل کئے گئے ہوں۔

ظاہر ہے کہ جب تدوین فقہ کا خیال ہوا ہوگا اور اولہ سے مسائل کے استنباط پر غور کیا جا رہا ہوگا۔ تو ان اصول و قواعد کی تعیین کی بھی ضرورت محسوس کی گئی ہوگی جن کے ذریعہ احکام کا استنباط کیا جاسکے۔ فرض و واجب، حرام، حلال اور مباح و مکروہ کے درجے قائم کئے جاسکیں۔ ان اصطلاحات، کا معیار قائم ہو سکے وغیرہ وغیرہ۔ اس طرح اصول فقہ کا مدون ہونا ناگزیر تھا۔

اغلب یہ ہے کہ تدوین فقہ کے ساتھ امام ابوحنیفہؒ نے اصول و ضوابط کی طرف ضرور توجہ کی ہوگی۔ علامہ خضریٰ مرحوم نے لکھا ہے امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ نے اصول فقہ پر کتابیں لکھیں۔ لیکن ہم کو ان کتابوں کا علم نہیں اور جو کچھ علم ہے وہ امام شافعیؒ کا رسالہ اصول فقہ ہے۔ جس کو انہوں نے کتاب الام کے مقدمہ کے طور پر تالیف کیا اور وہ عام طور پر ملتی ہے۔ اس لیے اس علم کا اصلی سنگ بنیاد اور عظیم القدر ذخیرہ بحث ہم اسی کو خیال کرتے ہیں۔

امام شافعیؒ نے اپنی کتاب اصول فقہ میں کتاب وسنت، اوامر، نواہی، درجہ حدیث، نسخ، علل احادیث، خبر واحد، اجماع، قیاس، استحسان، اجتہاد اور اختلاف وغیرہ کے متعلق چند مباحث تفصیل کے ساتھ لکھے ہیں۔ بنیاد کا قائم ہونا ہی تھا کہ فقہاء کرام کی ایک جماعت نے اس طرف توجہ کی اور نہایت تنقیح و تحقیق کے ساتھ مسطور اور مختصر کتابیں لکھ کر اسلام کی بڑی خدمت کی۔

فن اصول پر جو کتابیں تالیف کی گئیں، ان کا طرز مختلف تھا، بعضوں نے متکلمانہ طریقہ پر کتابیں لکھیں، جن میں مؤلفین نے صرف قواعد کے بیان پر اکتفا کرتے ہوئے سارا زور استدلال ایراد و جواب پر صرف کیا ہے اور انہوں نے فقیہانہ طرز پر کتابیں تالیف کیں جن میں قواعد و اصول کے ساتھ ان کی مثالیں اور نظائر بھی بیان کئے گئے نکات فقہ بیان کرنے کے بعد ان پر مسائل کی تفریع بھی کی۔

متکلمین کی روش پر جو کتابیں تالیف کی گئیں، ان میں سے چار کتابیں نہایت بلند پایہ ہیں۔

۱۔ کتاب البرہان تالیف امام الحرمین (م ۴۷۸ھ)

۲۔ المحصف تالیف امام غزالی (م ۵۰۵ھ)

۳۔ کتاب العہد تالیف عبد الجبار معتزلی (م ۶۵۵ھ)

ہرچہ بکند و نمش می زند ☆ وای بہ روزی کہ بکند و نک

۳۔ کتاب العہد تالیف ابو الحسین بصری معتزلی (م ۲۳۶ھ)

گویا یہ چار کتابیں اس فن کے ارکان ہیں۔

متاخرین میں سے امام رازی (م ۶۰۶ھ) نے کتاب محصول اور سیف الدین آمدی (م ۶۳۱ھ) نے کتاب الاحکام میں گزشتہ چاروں کتابوں کا ملخص کیا، مگر دونوں کا طرز جدا گانہ تھا۔ رازی کا میلان استدلال اور احتجاج کی جانب زیادہ رہا۔ آمدی کی توجہ تحقیق مذاہب اور تفریع مسائل کی جانب زیادہ رہی، پھر امام رازی کے شاگرد سراج الدین ارموی نے محصول کا اختصار کتاب تحصیل میں اور تاج الدین ارموی نے کتاب حاصل میں کر دیا۔ پھر شہاب الدین قیروانی (م ۶۸۴ھ) نے ان دونوں کتابوں سے چند مقدمات اور قواعد اقتباس کر کے ایک کتاب بنام تنقیحات تالیف کی۔ اسی طرح قاضی بیضاوی (م ۶۸۵ھ) نے منہاج نامی کتاب لکھی۔ ابن حاسب (م ۶۳۶ھ) کتاب الاحکام کا اختصار کیا اور مختصر کبیر نام رکھا، پھر اس کے اختصار کا نام مختصر صغیر رکھا۔

فقیہانہ طرز پر زیادہ حنفیہ نے کتابیں لکھیں، اس سلسلے میں قدیم ترین کتاب ابو بکر بھاص (م ۳۷۰ھ) کی کتاب الاصول ہے۔

ابو زید ربوسی (م ۴۳۳ھ) کی کتاب الاسرار اور تقویم الادلہ اس فن میں نہایت عمدہ کتابیں ہیں، چنانچہ قیاس کے متعلق شرح وسط کے ساتھ اس قدر مباحث لکھے کہ اس فن کو مہذب کر کے درجہ تکمیل تک پہنچا دیا اور اس کی اساس و بنیاد کو نہایت مستحکم کر دیا۔

متاخرین حنفیہ میں فخر الاسلام بزودی کی کتاب الاصول نہایت مستند کتاب ہے اور اب اس فن میں اساس و بنیاد کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کی سب سے اچھی شرح عبدالعزیز بخاری نے لکھی جس کا نام کشف الاسرار ہے اور وہ متداول ہے۔

امام سرخی نے بھی اصول کی کتاب بہت ضخیم لکھی ہے۔ امام احمد ابن الساعاتی (م ۶۹۴ھ) نے اصول میں قواعد اور البدائع دو کتابیں لکھیں۔ انہوں نے احکام آمدی اور اصول بزودی دونوں کو یکجا کر دیا، جس سے عمدگی میں ان کی کتاب البدائع کی حیثیت دوبالا ہو گئی، اس لیے کہ متکلمانہ اور فقیہانہ دونوں طرز کو یہ حاوی ہے۔

حافظ الدین النفیسی کی کتاب المنار مختصر متن جو اصول بزودی کا ملخص ہے مشہور و متداول ہے، اس کی شرح نور الانوار تالیف ملا جیون تمام مدارس میں داخل درس ہے۔

جلال الدین خبازی نے اصول فقہ میں المغنی لکھی جس کی شرح سراج الدین ہندی (م ۷۳۷ھ) نے لکھی۔ تحریر ابن ہمام اور توضیح صدر الشریعہ بھی اس فن میں مشہور کتابیں ہیں۔ تحریر میں بدیع کی توضیح کی گئی ہے اور مؤلف نے اپنی ذاتی تحقیقات کا بھی اس میں اضافہ کر دیا اور توضیح حقیقت میں کشف بزودی کی تنقیح ہے اور اس کے ساتھ محصول اور مختصر ابن حاسب کے چند مباحث بھی ضم کئے گئے ہیں۔ علامہ تفتازانی نے توضیح کی

ترجوا الو لید و قد اعیاک والدہ ☆ و ما ز جاوک بعد الو الدالو لدا

شرح لکھی، جس کا نام التلویح ہے۔ توضیح اور تلویح دونوں مشہور اور متداول ہیں۔

ہندوپاک میں اصول کی کتابیں اس وقت سلسلہ درس میں داخل ہیں، ان میں سے قاضی محبت اللہ کی مسلم الثبوت عالی رتبہ کتاب سمجھی جاتی ہے۔ یہ تحریر ابن ہمام، مختصر ابن حابط اور منہاج بیضاوی سے ماخوذ ہے اور بعض مقامات میں فاضل مصنف نے اپنے قول کا بھی اضافہ کیا ہے، اس کی سب سے بہتر شرح بحر العلوم نے لکھی۔ اس کا نام نواح الرحمت ہے جو مشہور و متداول ہے۔

اسلامی فقہ کی ماخذ

فقہ اسلامی کا اطلاق دو معانی پر ہوتا ہے۔

۱۔ ان احکام شرعیہ کا جاننا جن کا تعلق عمل سے ہے (العلم بالاحکام الشرعیۃ العملیۃ) لیکن دلائل سے بے نیاز ہو کر محض ان احکام کے جان لینے کا نام فقہ نہیں ہے، بلکہ ان کے دلائل سے استمداد کرتے ہوئے ان کو ان کی تفصیلی معرفت حاصل ہونے کا نام فقہ ہے۔ پس اس معنی کی رو سے فقہ انسان کی ایک علمی صفت قرار پاتی ہے اور جب انسان اپنے اندر یہ صفت علیہ پیدا کر لیتا ہے تو اسے فقیہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

فقہ کی اس تعریف میں تین الفاظ استعمال کئے گئے ہیں، ہر ایک سے کیا مراد ہے، اسے اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے۔ الف: احکام: اس لفظ سے وہ ایجادات شرعیہ مراد ہیں، جن کی معرفت دلیل کی محتاج ہو، مثلاً فقہ کا ایک مسئلہ یہ ہے کہ غصب کردہ چیز کے تلف ہو جانے پر غاصب کے ذمہ اس کا تاوان دینا ضروری ہے اور دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ امانت رکھی ہوئی چیز کے تلف ہو جانے کی صورت میں امین پر اس کا تاوان نہیں، الا یہ کہ اس کی لاپرواہی اور حفاظت میں کوتاہی کے سبب وہ چیز تلف ہو جائے۔ یہ دو مسائل ہیں اور ہر ایک محتاج دلیل ہے۔

ب: شرعیہ: یعنی شارع کے امر و حکم پر مبنی: عام ازیں کہ شارع کے کسی صریح امر پر مبنی ہو، یا کسی امر کی دلالت پر اس کی بناء ہو یا کسی امر شارع سے وہ ماخوذ و مستنبط ہو۔

ج: عملیہ: اس قید کے ذریعہ اعتقادی مسائل کا نکالنا مقصود ہے۔ مثلاً ایمان کے اصول و فروع کہ یہ دوسرے علم کے موضوع ہیں۔

۲۔ فقہ اسلامی کا دوسرا اطلاق خود ان احکام شرعیہ پر ہوتا ہے اور اسی معنی کی رو سے فقہ کی تعریف یوں کی جاتی ہے کہ اسلامی شریعت کے عملی احکام کے مجموعہ کا نام فقہ ہے۔ (مجموعۃ الاحکام العملیۃ المشروعة فی الاسلام)

ان احکام کے شرعی ہونے کے ذرائع علم یہ ہیں۔

قرآن کی کوئی صریح نص ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث و سنت کے ذریعہ سے معلوم ہو۔

علمائے اسلام کے اجماع سے معلوم ہو۔

یافتہا و مجتہدین کے اس استنباط سے معلوم ہو، جو کتاب و سنت اور اصول و مقاصد کو ملحوظ رکھ کر کیا گیا ہو۔

ان الحکم اللہ امر الاتبعوا الا ایاہ ذالک الدین القیم۔ (القرآن . سورہ یوسف)

یہ حکم (قانون) اللہ کے سوا کسی کے لیے نہیں۔ اس کا فرمان ہے کہ اس کے سوا تم کسی کی بندگی و اطاعت نہ کرو۔ یہی صحیح طریقہ ہے۔

اتبعوا اما انزل الیکم من ربکم ولا تتبعوا من دونه اولیاء۔ (القرآن . سورہ اعراف)

پیروی کرو اس قانون کی جو تمہاری طرف تمہارے رب کی جانب سے نازل کیا گیا ہے اور اسے چھوڑ کر دوسرے سرپرستوں کی پیروی نہ کرو۔

من یطع الرسول فقد اطاع اللہ۔ (القرآن . سورہ النساء)

اور جو رسول کی اطاعت کرے اس نے دراصل اللہ کی اطاعت کی۔

وما کان لمومن ولا مؤمنة اذا قضی اللہ ورسوله امرا ان یکون لہم الخیرۃ من امرہم۔ ومن

یعص اللہ ورسولہ فقد ضل ضلالا مبینا۔ (القرآن . سورہ احزاب)

اور کسی مومن مرد اور عورت کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ اللہ اور رسول جب کسی معاملے میں فیصلہ کر دیں تو ان کے لیے پھر خود اپنے معاملہ میں فیصلہ کرنے کا اختیار باقی رہ جائے اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے وہ کھلی گمراہی میں پڑ گیا۔

فقہی احکام کی قسمیں:

ان فقہی احکام کے چھ شعبے ہیں:

۱۔ عبادات: یعنی وہ مسائل جن کا تعلق اللہ تعالیٰ کی عبادت سے ہو۔ مثلاً صلوٰۃ و صوم اور حج وغیرہ۔

۲۔ احوال شخصیہ: وہ مسائل جن کا تعلق انسان کی خانگی و عائلی زندگی سے ہو۔ مثلاً نکاح و طلاق وغیرہ۔

۳۔ معاملات: وہ مسائل جن کا تعلق لوگوں کے افعال اور اموال و حقوق میں ان کے آپس کے معاملات اور نزاعات کے فیصلوں سے ہو۔

۴۔ عقوبات: وہ مسائل جن کا تعلق مجرمین کی سزا اور داخلی نظم و نسق سے ہو۔

۵۔ سیر: وہ مسائل جن کا تعلق جہاد و قتال سے ہو۔

۶۔ آداب: وہ مسائل جن کا تعلق اخلاق و محاسن سے ہو۔

مادی بھی اور روحانی بھی:

متذکرہ بالا طور سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اسلامی فقہ اپنے اندر مادی و روحانی دونوں طرح کی بھلائیاں

رہتی ہے۔ کیونکہ اسلامی شریعت دین دنیا دونوں کے معاملات کو خیر و صلاح پر استوار کرنے کے لیے آئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی فقہ دنیا کے دوسرے قوانین سے ایک ممتاز حیثیت رکھتی ہے، حتیٰ کہ اس قسم یعنی معاملات میں بھی یہ فقہ اسلامی اپنے الگ تصورات و نظریات اور اپنی ایک مستقل شان رکھتی ہے، جس کا تعلق صرف دنیوی امور سے ہے، اور ان کے ساتھ کوئی دینی صفت وابستہ نہیں ہوتی بلکہ اقوام و ملل خود اپنے مصالح و حالات کے لحاظ سے ان کے متعلق قوانین وضع کرتی ہیں، کیونکہ دنیا کے دیگر قانون ساز اداروں کے وضع کردہ قوانین میں حلال و حرام کا کوئی لحاظ نہیں رکھا جاتا اور نہ معاملات کے باطنی امور کا اعتبار ہوتا ہے، بلکہ صرف ظاہری حالات و مصالح قومی کا خیال کیا جاتا ہے، پس جو چیز قانون کے دائرہ میں آگئی اور حکام نے جو فیصلہ کر دیا۔ وہ حق ہے اور جو ایسا نہیں۔ وہ حق نہیں۔

بخلاف اس کے فقہ اسلامی کی بنیاد میں حلال و حرام کی تمیز داخل اور وہ انسان کے باطنی حالات کی بھی نگران ہے اور ہر عمل میں وہ انسان کو اس جا۔ متوجہ کرتی ہے۔

یہ اور بات ہے کہ عدالتی فیصلوں اور ہر اے احکام میں صرف ظاہری صورت حال پر اکتفا کی جاتی ہے، اور اسی پر اکتفا کی جاسکتی ہے۔ لیکن اگر کو برسر باطل فریق کے موافق ظاہری اسباب و علل کی بنا پر فیصلہ کر دیا جائے۔ مگر حقیقت نفس الامری اس کے خلاف ہو، تو قاضی کا فعل قضا تو حق ہوگا لیکن حقیقت و واقعہ کے لحاظ سے فیصلہ ناحق ہوگا۔ مثلاً مدعی جھوٹی شہادتیں گزار دے یا مقدمہ دائر کرنے کی مقررہ میعاد گزر جائے۔ اس بنا پر عدالت مقدمہ خارج کر دے، غرض اگر قضا کے ظاہری ثبوت و شرائط کی بنا پر فیصلہ حقیقت و واقعہ کے خلاف دیا جائے تو ایسی صورت میں اگرچہ فیصلہ ظاہری طور پر نافذ ہو جائے گا، مگر جس فریق کا فی الواقع جو حق ہے، وہ اصلاً باقی رہے گا، حلال حرام سے اور حرام حلال سے تبدیل نہ ہو جائے گا۔ تا آنکہ شریعت کی نظر میں فی الواقع جو سبب صحیح ہو، اس کی کاروائی نہ ہو۔

اس باب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد اصل و بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے: کہ:

”میں بشر ہوں تم اپنے نزاعات میرے پاس لاتے ہو، ہو سکتا ہے کہ تم میں سے کوئی فریق دوسرے سے زیادہ بہتر گفتگو کر سکتا ہو، اور اس کی چرب زبانی فریق ثانی کے واقعی و حقیقی حق پر وہ ڈال دے، تو میں اگرچہ اس چرب زبان فریق کی طاقت لسانی سے متاثر ہو جاؤں گا اور ظاہری حالات و امور دیکھ اور سن کر اس فریق کے حق میں فیصلہ دے دوں گا۔ لیکن میرا فیصلہ اس فریق کے حق میں آگ کا انگارہ ہوگا، اب یہ اس کا کام ہے کہ وہ (نتائج) سے بے پرواہ ہو کر اس انگارہ کو لے لے یا اسے چھوڑ دے۔

پس ایسی صورت میں جبکہ قضا کے ظاہری اسباب و شرائط پورے ہو جائیں اور قاضی حق تک پہنچنے کے لیے ایما و ہرمانہ طور پر اپنی سی پوری کوشش کر کے فیصلہ دے دے، مگر اس کا فیصلہ حقیقت و واقعہ کے خلاف ہو تو اس

علمی و تحقیقی مجلہ فقہ اسلامی ﴿ ۲۹ ﴾ جمادی الثانیہ ۱۴۳۵ھ ☆ اپریل ۲۰۱۴ء
کے فیصلہ کا فعل تو حق ہوگا، مگر وہ فیصلہ اپنی اصل کے لحاظ سے ناحق ہوگا اور دین و شریعت کی نگاہ میں وہ باطل ہی رہے گا اور چونکہ وہ عند اللہ ناحق ہوگا اور وہ برسر باطل فریق، جس کے موافق فیصلہ ہوا ہے، چونکہ خود اس پر حق روشن ہوگا۔ اس لیے اس کا دینی تقاضا اور شریعت کا اس سے اصل مطالبہ یہی رہے گا کہ وہ اس آگ کے انکار کے نتائج بد سے اپنے کو بچائے۔ کیونکہ یہ فیصلہ اسے عند اللہ باز پرس سے نہ بچا سکے گا۔
احکام کے دور رخ:

اسی لیے معاملات کے احکام سے متعلق دو اعتبارات ہیں۔ ایک کا تعلق تو فیصلہ و قضا سے ہے اور دوسرے کا حقیقت نفس الامر ہے۔
قضائے قاضی میں تو عمل یا حق کے صرف ظاہری حالات و صورت پیش نظر رہتے ہیں، لیکن نفس الامری مجاہدہ میں حقیقت واقعیہ کا لحاظ ہوتا ہے۔

پس، کبھی ایسا ہوتا ہے کہ امر واحد اور ایک ہی عمل کا حکم متذکرہ بالا دو اعتبارات کے نقطہ نظر سے ایک دوسرے سے مختلف ہوتا ہے۔ مثلاً کسی نے اپنی بیوی کو خطا طلاق دے دی، یعنی غلطی سے اس کی زبان پر طلاق کا لفظ جاری ہو گیا یا وہ کوئی ایسا لفظ کہہ بیٹھا جس سے طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ مگر اس کا قصد و ارادہ اور اس کی نیت طلاق ہو جانے کا ہوگا، مگر نفس الامر میں طلاق واقع نہ ہوگی اور ایک مفتی ایسے موقع پر احتمال کا لحاظ کرتے ہوئے اس شخص کی ذمہ داری و نیت پر فتویٰ کو معلق کرتے ہوئے اس کی بیوی کو اس کے پاس رہنے کے جواز کا فتویٰ دے سکتا ہے۔ اسی طرح مثلاً کسی نے اپنے مقروض شخص کو اپنے قرض سے بری کر دیا، لیکن اس کے معاف کئے جانے کی اس مقروض کو خبر نہ ہوئی۔ پھر قرض دینے والے شخص نے اپنے اس مقروض پر اپنے قرض کا دعویٰ کر دیا اور اپنے معاف کر دینے کو چھپائے رکھا اور فیصلہ اس کے حق میں ہو گیا تو یہ فیصلہ تو نافذ ہو جائے گا اور قرض دار کو قرض ادا کرنا پڑے گا مگر یہ از روئے قضا ہوگا نہ کہ از روئے دیانت و نفس الامر۔
قاضی اور مفتی کے دائرہ عمل:

یہی وجہ ہے کہ بکثرت شرعی احوال و کوائف میں قضا کا دائرہ کار فتویٰ کے میدان عمل سے مختلف ہے اور ایک قاضی کا عمل مفتی کے عمل سے جدا گانہ نوعیت رکھتا ہے۔ ایک قاضی اعمال و احکام کے باب میں صرف قضا کے شرائط و اعتبارات پر گامزن ہوتا ہے اور باطنی حقیقت کو نہیں دیکھتا، لیکن ایک مفتی حقیقت واقعیہ سے بحث کرتا ہے اور صورت معاملہ کے ظاہر و باطن سارے گوشوں اور پہلوؤں کو نگاہ میں رکھتا ہے، لہذا اگر ان دو جہتوں میں اختلاف ہوتا ہے تو پھر وہ دیانت و نفس الامر کے مطابق فتویٰ دیتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ فقہاء اکثر مسائل کی تصویر کشی و تعیین کرتے ہوئے اس بات کا تذکرہ کرتے ہیں کہ ایسی صورت میں قضا کے نقطہ نظر سے تو اس کا یہ حکم ہے اور دیانت و نفس الامر کی رو سے اس کے خلاف اس کا حکم یہ ہے۔

آنچیز خم زبان کند با مرد رخم شمشیر جانستان کند

مثلاً کوئی قرض دار کے اپنے ذمہ جو قرض ہے، اس سے انکار کر بیٹھتا ہے اور قرض دینے والا عدالت میں قاضی کے روبرو اپنے قرض دینے کا ثبوت پیش کرنے سے قاصر ہے، اس لیے وہ عدالت کا دروازہ نہیں کھٹکھٹاتا، لیکن اتفاقاً ایسا ہوتا ہے کہ اس مقروض کے مال پر قرض دینے والے کو تصرف کرنے پر کسی طرح قدرت حاصل ہوگئی، تو دینی فتویٰ و حکم اس کی اجازت دیتا ہے کہ وہ اس کے مال میں سے اپنے قرض کی مقدار کے مساوی لے لے۔ بغیر اس کے کہ قرض دار سے اس کی اجازت حاصل کرے یا اس کے علم میں لائے۔

لیکن اگر معاملہ عدالت میں قاضی کے سامنے پیش ہوگا تو قاضی اس طرح کے اخذ مال کی اجازت نہیں دے گا، کیونکہ وہ اپنے حق کو ثابت کرنے سے عاجز رہے گا۔

یہیں سے یہ بات روشن ہو جاتی ہے کہ اپنے دعویٰ کے ثبوت و شہادت پیش کرنے سے مدعی کے عاجز رہنے کی صورت میں مدعا علیہ پر یحیمن (حلف و قسم) کا اصول شریعت نے کسی مصلحت کی بنا پر ادا کس حکیمانہ غرض سے مقرر کیا ہے۔

غرض، آج جو ہم دیکھتے ہیں کہ اقوام و ملل اپنے اجتماعی نظام میں محض مادی نقطہ نظر سے حقوق کی حفاظت کی غرض سے اپنی عقل و فراست کی انتہائی قابلیتیں صرف کر کے قوانین بناتی ہیں، مگر اس کے باوجود جو روز زیادتی کے رخنے بند نہیں ہوتے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ ان کے وضع قانون کے زاد یہائے نگاہ ان گوشوں کی سمت نہیں جاتے جن سے اسلامی فقہ مالا مال ہے اور دنیا کی اس محض مادی نقطہ نظر سے قانون سازیاں اس امر کی استطاعت نہیں رکھتیں کہ حقوق کی کما حقہ حفاظت کر سکیں۔ اس کی تو صرف اسلامی فقہ ضمانت دیتی ہے جس میں مادی و روحانی دونوں حیثیتوں کا بدرجہ اتم لحاظ ہے اور جو ہر قدم پر عند اللہ باز پرس اور تقویٰ کا تصور دیتی ہے اور زندگی کے ہر دائرہ عمل میں تنفس کو ہر مرحلہ پر دین و شریعت کے تقاضوں اور مطالبات کے تکمیل کی تاکید کرتی ہے۔

اسلامی فقہ کے ماخذ و مصادر:

ہم پہلے بیان کر آئے ہیں کہ فقہ اسلامی میں احکام شرعیہ کی بنیاد تو قرآن پر ہوتی ہے یا سنت پر، یا پھر علمائے اسلام کے اجماع پر ان کا مدار ہوتا ہے یا فقہاء و مجتہدین کے ایسے استنباط سے روشنی حاصل کی جاتی ہے، جو کتاب و سنت اور اصول و مقاصد شریعت کو ملحوظ رکھ کر کیا گیا ہے۔ اس صورت حال کی بنا پر علماء نے فقہ کے چار ماخذ شمار کر رکھے ہیں۔ (جاری ہے)